ابو ریحان سیالکوٹی

مظہری مغالطے

(قسط ۲)

مغالطہ نمبر ۹

میں نے ایک سلسلہ کلام میں لکھا تھا کہ "اصحاب توقف کو اپنے موقف کے انجام پر قطعاً کوئی افسوس نہیں ہوا کیونکہ ان کے موقف کے نتیجہ میں نہ ان کا کچھ بگڑا اور نہ کسی مسلمان کے ہی خون کا ایک قطرہ بھی بہا۔" اس پر قاضی صاحب "ریحانی لطیفہ" کے زیر عنوان لکھتے ہیں۔

"یہ ٹھیک ہے کہ ان کی وجہ سے کسی مسلمان کا کوئی ایک قطرہ خون کا بھی نہیں بہا۔ لیکن کیا ان کو ان ہزاروں مسلمان مقتولین پر بھی کوئی دکھ اور افسوس نہیں ہوا ہوگا۔" (ایضاً ص ۴۱)

یہاں قاضی صاحب مغالطہ یہ دے رہے ہیں کہ میں تو اپنے موقف کے انجام پر افسوس کی بات کر رہا ہوں اور قاضی صاحب ہزاروں مسلمان مقتولین پر افسوس کی طرف بات کو لے جا رہے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں ہزاروں مسلمانوں کا مقتول ہونا کیا اصحاب توقف کے موقف کا نتیجہ تھا یا حضرت علیؓ اور اصحاب جمل و صفینؓ کے مواقف کا؟ میں مطلقاً افسوس کی بات نہ کر رہا تھا بلکہ اپنے موقف کے انجام پر افسوس کی بات کر رہا تھا۔ اصحاب توقف کو بیشک مسلمانوں کے اس عظیم جانی نقصان پر افسوس ہوا لیکن یہ عظیم جانی نقصان ان کے موقف کا نتیجہ ہرگز نہ تھا۔ اور مطلقاً کسی حادثہ فاجعہ پر افسوس ہونا ہمیشہ اس بات کی دلیل نہیں ہوا کرتا کہ یہ حادثہ ضرور متأسف ہونے والے کے موقف کا ہی نتیجہ ہے۔ ملک میں دہشت گردی اور قتل و غارت گری کے کتنے واقعات ہوتے رہتے ہیں قاضی صاحب کو ان پر ضرور افسوس ہوتا ہوگا تو کیا اس کو یہ سمجھا جائے کہ یہ سب کچھ ان کی سوچوں اور جماعتی پرگراموں کا نتیجہ ہے؟ قاضی صاحب کی اس بے تکی اور لایعنی بات پر تو "من چہ می سرایم و طنبورۂ من چہ می سراید" والی مثال فٹ آتی ہے۔ اب یہ فیصلہ قارئین ہی کر لیں یہ "ریحانی لطیفہ" ہے یا کہ "مظہری اغلوطہ؟"

مغالطہ نمبر ۱۰

اس قسط کے آخر میں قاضی صاحب نے "متوقفین صحابہ" کی تعداد کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ "ان کی تعداد بہ نسبت ان صحابہ کے بہت قلیل تھی جنہوں نے ان جنگوں میں حصہ لیا۔" (ایضاً ص ۴۱)

میں نے مشاجراتی صحابہؓ کی تعداد کا مسئلہ نہ چھیڑا تھا۔ قاضی صاحب چونکہ متوقفین صحابہؓ کے موقف کو بہر صورت کمزور ترین ہی بنانا، دکھانا چاہتے ہیں اس لیے ان کو یہ بات چھیڑنے کی ضرورت پیش آئی۔ وہ اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ متوقفین صحابہؓ کا موقف توقف، کمزور ترین تھا کیونکہ ان کی تعداد دوسرے صحابہؓ کی بہ نسبت بہت قلیل تھی۔

لیکن سب جانتے ہیں کہ یہ کوئی دلیل نہیں بلکہ محض ایک مغالطہ ہے۔ کون نہیں جانتا کہ اسلام میں افراد گنے نہیں جاتے بلکہ تولے جاتے ہیں۔ کسی موقف کے قوی و ضعیف یا صحیح و غلط ہونے کا فیصلہ اصحاب موقف کی

کثرت وقلت پر نہیں ہوتا بلکہ دلیل کے معیار پر ہوتا ہے۔ ساری اسلامی تاریخ اس پر شاہد عدل ہے۔ لہذا ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ بات قاضی صاحب کے لیے بالکل غیر مفید ہے۔ ورنہ تو پھر قاضی صاحب کو حضرت علیؓ کی خلافت اور ان کے صفینی موقف کی قوت وصحت سے بھی ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ کیونکہ ان کی بیعت کرنے والوں کی تعداد بہ نسبت بیعت نہ کرنے والوں کے قلیل تھی: اس طرح جنگوں میں ان کا ساتھ دینے والوں کی تعداد بہ نسبت ساتھ نہ دینے والوں کے قلیل تھی۔

یہ بھی تب ہے جبکہ یہ مان لیا جائے کہ متوقفین صحابہؓ کی تعداد بہ نسبت غیر متوقفین کے بہت قلیل تھی۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ ان جنگوں میں حصہ لینے والوں کی ہی تعداد بہ نسبت متوقفین کے قلیل تھی۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اگر ان کی تعداد بہت قلیل بتائی ہے تو دوسرے علماء نے ان کی تعداد بہت کثیر بیان کی ہے۔ اور میسر آ سکنے والے اعداد وشمار سے ان دوسرے علماء کی ہی تائید ہوتی ہے۔ ہم نے بھی کچھ اعداد وشمار جمع کئے ہیں اور باقی کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ نام بنام اس کی تفصیل ہم "کشف سبائیت"، میں دیں گے۔ اب تک کے ہمارے ابتدائی اعداد وشمار کے مطابق ان جنگوں میں حصہ لینے والے صحابہؓ کی تعداد صرف ۶۲ تک پہنچی ہے، جن میں سے ۴۰ اصحابؓ حضرت علیؓ، ۶ اصحابؓ جمل، ۱۲ اصحابِ صفین اور ۴ اخلافی ہیں۔ یہ تعداد گنی گنی ہو کر ڈیڑھ دو سو تک بھی اگر پہنچ جائے تو تب بھی ان صحابہؓ کی تعداد متوقفین صحابہؓ سے نہیں بڑھ سکتی کیونکہ اس وقت تک سینکڑوں صحابہؓ کرام بقید حیات تھے۔ اور ان جنگوں میں حصہ لینے والے صحابہؓ کی تعداد سو دو سو سے زیادہ شاید کوئی ثابت نہ کر سکتا۔ تفصیلی اعداد وشمار کا قارئین انتظار فرمائیں۔

آگے مشہری تبصرہ کی چوتھی قسط شروع ہوتی ہے جو ذو قعدہ ۱۴۱۲ھ مطابق مئی ۱۹۹۲ء کے "حق چار یار" میں شائع ہوئی ہے۔

مغالطہ نمبر ۱۱، ۱۲:

اپنے تبصرہ کی چوتھی قسط میں قاضی صاحب نے حضرت علیؓ کی خلافت کے حوالہ سے زیادہ زور یہ ثابت کرنے پر لگایا ہے کہ مشاجرات میں اجتہادی خطا کا صدور حضرت علیؓ سے نہ ہوا تھا بلکہ انہی صحابہؓ سے ہوا تھا جنھوں نے آپ کی خلافت کو بالفعل تسلیم نہ کیا تھا (صفحہ ۲۹)

یہاں قاضی صاحب نے اکٹھے دو مغالطے دیئے ہیں ایک تو یہ کہ انہوں نے بصورتِ تقابل یہاں حضرت علیؓ سے خطا اجتہادی کی نفی کر کے یہ تاثر دیا ہے کہ جیسے میں اصحابؓ جمل وصفین کے مقابلہ میں ان کی اجتہادی غلطی کا قائل ہوں حالانکہ نہ میں اس کا قائل ہوں اور نہ میں نے اپنے ساری کتاب میں کہیں ان کی طرف اس کی نسبت ہی کی ہے۔

قاضی صاحب کی یہ ایک مزاجی خصوصیت ہے کہ ایسے کسی موقع پر ان کے کسی مدمقابل نے اگر تقابل نہ بھی

کیا ہو تو وہ از خود وہاں تقابل کی صورت بنا کر اس کو ملزم ٹھہرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہی کچھ انھوں نے یہاں کیا ہے۔ ورنہ میں نے حضرت علیؓ اور اصحابِ جمل و صفین کے درمیان اجتہادی خطا و صواب کے اعتبار سے نہ تو کوئی تقابل کیا تھا اور نہ کسی کو، خصوصاً حضرت علیؓ کو مطعی ہی بتایا تھا کہ قاضی صاحب کو یہاں اس کی نفی کرنے کی ضرورت ہوتی۔ لہٰذا یہی کہا جائے گا کہ انھوں نے محض مغالطہ دہی کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔

اور دوسرا مغالطہ یہاں انھوں نے یہ دیا ہے کہ اصحابِ جمل و صفین بالخصوص حضرت معاویہؓ کی خطا اجتہادی کی بحث چھیڑ کر یہ تاثر دیا ہے کہ جیسے اُن پر ہمارا اعتراض یہ ہے کہ انھوں نے ان حضرات کی طرف خطا اجتہادی کی نسبت کیوں کی ہے۔ حالانکہ ہمارا اعتراض ان کی اس بات پر نہیں بلکہ ان کی اس صریح خلاف ورزیوں پر ہے جو انھوں نے اس سلسلہ میں اصولِ اہلِ سُنّت اور قواعدِ اجتہاد کی، کی ہیں۔ ہم نے قاضی صاحب کی جن گستاخانہ تعبیرات اور سبائیانہ طرزِ استدلال کو اصولِ اہلِ سُنّت اور قواعدِ اجتہاد کے خلاف بتایا ہے، اگر ان میں جرأت ہے تو وہ اُن کا ان اصول و قواعد کے مطابق ہونا ثابت کریں۔ ورنہ اِدھر اُدھر کی باتوں سے بات نہیں بن سکتی۔

مغالطہ نمبر ۱۳:

میں نے اہلِ سُنّت کا ایک اجتہادی اصول یہ لکھا تھا کہ ہر مجتہد کے اجتہاد میں خطا و صواب دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ قاضی صاحب جواباً فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں تو ضابطہ یہی ہے کہ لیکن آیت استخلاف کے تحت چاروں خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ (صفحہ: ۲۶)

یعنی ان کا اجتہاد بس صواب ہی صواب ہوتا ہے اس میں خطاء کا احتمال تک بھی نہیں ہوتا۔ یہاں قاضی صاحب نے مغالطہ یہ دیا ہے کہ ایک رافضی عقیدے کو سُنّی عقیدے کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

وضاحت اس کی یہ ہے کہ عصمت و حفاظت کے معاملہ میں اپنے اماموں کو نبیوں سے بڑھانا یہ روافض کا عقیدہ ہے اور یہی کچھ یہاں قاضی صاحب نے کیا ہے کہ خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس معاملہ میں انبیاء سے بڑھا دیا ہے، وہ اس طرح کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کو تو قاضی صاحب، اجتہادی خطا و صواب کے اس ضابطہ سے مستثنیٰ نہیں مانتے بلکہ ان کے اجتہادات میں تو صواب کے ساتھ خطاء کا نہ صرف احتمال تسلیم کرتے ہیں بلکہ اس کا بالفعل صدور تک مانتے ہیں لیکن یہاں خلفاءؓ اربعہ کو وہ اس ضابطہ سے مستثنیٰ قرار دے کر ان کے اجتہاد کو صواب کے ساتھ ہی خاص کر رہے ہیں اور اس میں خطا کا احتمال تک بھی تسلیم نہیں کر رہے اور ظاہر ہے کہ یہ خلفاء کو اُسی طرح انبیاء سے بڑھانا ہے جس طرح روافض اپنے اماموں کو اس معاملہ میں انبیاء سے بڑھاتے ہیں اس طرح بات تو قاضی صاحب نے کی رافضیوں والی لیکن باور اس کو کرایا سُنّیوں والی۔ اہلِ سنت مشاجرات میں حضرت علیؓ کی خطا اجتہادی کے اگر قائل نہیں ہوئے تو انھوں نے قاضی صاحب کی طرح یہ نہیں کہا کہ ان سے یہاں خطا ہو ہی نہیں سکتی تھی اور یہ کہ وہ اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہیں۔ بلکہ اُنھوں نے یہ کہا ہے کہ ان سے یہاں خطا نہیں ہوئی۔ خطاء نہ ہونے اور نہ ہوسکنے میں

زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پہلی بات اہلِ سنت کا قول ہے ہم بھی اسی کے قائل ہیں اور دوسری بات شعوری یا غیر شعوری طور پر روافض کی متابعت میں قاضی صاحب کا قول ہے پھر حضرت علیؓ سے خطاء نہ ہونا مستلزم اس کو نہیں کہ ضرور دوسروں سے خطا ہوئی ہو۔ بلکہ وہ بھی جس طرح مخطی ہو سکتے ہیں اس طرح کسی دوسرے اعتبار سے مصیب بھی ہو سکتے ہیں۔ اس پر تفصیلی گفتگو ہم سبائی فتنہ جلد اوّل میں کر چکے ہیں۔

مغالطہ نمبر ۱۴:

اپنی اس رافضیانہ بات کے لیے استدلال انھوں نے کیا ہے آیتِ استخلاف سے۔ یہ بھی خالص مغالطہ ہے ایک تو اس لیے کہ آیت میں تمکینِ دین کا وعدہ ہے خطاء اجتہادی سے حفاظت و عصمت کا وعدہ نہیں، اور یہ تو خود قاضی صاحب ہی مسلسل بتاتے چلے آ رہے ہیں کہ خطاء اجتہادی حق کے خلاف نہیں ہوتی بلکہ حق کے دائرے میں ہی ہوتی ہے۔ جب وہ حق کے خلاف نہیں ہوتی بلکہ اس کے دائرے میں ہی ہوتی ہے تو دین اور تمکینِ دین کے بھی تو خلاف نہ ہوگی بلکہ اس کے دائرے میں ہی ہوگی۔ پھر یہ وعدہ خداوندی ضابطۂ خطاء اجتہادی سے خلفاء اربعہؓ کے مستثنیٰ ہونے کو کیسے شامل ہوا؟

اور دوسرا اس لیے کہ قرآن کی آیات تو انبیاء علیہم السلام کے حق میں بھی ہیں۔ پھر ایک دو نہیں، دسیوں ہیں پھر معاملہ زیرِ بحث میں آیت استخلاف سے زیادہ صریح ہیں مثلاً و **جتبینا هم وهد یناهم الی صراط مستقیم**- نیز **وما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحا**- نیز **اولئک الذین هدی الله فبهدهم اقتده- وما اتکم الرسول فخذوه وما نهکم عنه فانتهوا** وغیر ذالک جب ان صریح نصوص کے ہوتے ہوئے انبیاء علیہم السلام اس ضابطۂ خطاء اجتہادی سے مستثنیٰ نہیں ہو سکے تو آیت استخلاف کے تحت خلفاء اربعہؓ اس سے کیسے مستثنیٰ قرار پا سکتے ہیں؟

مغالطہ نمبر ۱۵:

میں نے اہلِ سنت کا ایک ضابطہ یہ بیان کیا تھا کہ مجتہدین میں سے کسی کو مصیب یا مخطی جو کہا جاتا ہے تو محض ظناً نہ کہ قطعاً، قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ یہ ضابطہ کلیہ غلط ہے کیونکہ قرآن کے موعودہ خلفاء راشدین اُمور خلافت میں اس سے مستثنیٰ ہیں (صفحہ ۳۱)

یہاں قاضی صاحب نے مغالطہ یہ دیا ہے کہ خالص اپنے خیال کو مسلکِ اہلِ سنت کی حیثیت سے پیش کیا ہے کیونکہ خلفاء راشدین بھی اپنے اُن اُمورِ خلافت میں جو اجتہادی و اختلافی ہوں اس ضابطہ سے قاضی صاحب کے نزدیک مستثنیٰ ہوں تو ہوں۔ مسلکِ اہلِ سنت میں ہرگز مستثنیٰ نہیں ہیں، چنانچہ کوئی اور نہیں بلکہ خود قاضی صاحب ہی خاص مشاجرات کے بارے میں جمہور اہلِ سنت کے موقف کا مطلب، قرطبی، ابن حزم، ابن حجر مکی اور شاہ ولی اللہ رحمہم اللہ کے حوالہ سے یہ بیان کر آئے ہیں کہ قطعی طور پر کسی ایک فریق کو مصیب یا مخطی نہ قرار دیا جانے۔" (دیکھو

خارجی فتنہ صفحہ: ۲۹۶، ۳۰۱، ۳۰۶/۳۲۷/جلد ۱) حتی کہ حضرت علیؓ کا نام تک لیکر بھی یہ بتا آئے ہیں کہ "جو حضرات، حضرت علیؓ (اور تمہی) کو حق و صواب پر قرار دیتے ہیں وہ بھی ظن غالب کی بنا پر نہ کہ قطعیت کی وجہ سے۔" (خارجی فتنہ صفحہ: ۳۰۲/جلد: ۱) پھر مسلک اہلِ سنت میں خلفاء اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس ضابطہ سے کہاں مستثنیٰ ہوئے؟

مغالطہ نمبر ۱۶:

میں نے ایک جگہ لکھا تھا کہ حضرت علیؓ کی خلافت غیر منتظمہ تھی اور ایسی خلافت کا حکم یہ ہے کہ جس صاحبِ حل و عقد نے ابھی تک ایسے خلیفہ کی بیعت نہ کی ہو اس کا خلیفہ کے خلاف اقدامی یا دفاعی خروج بغاوت نہیں کہلاتا لہذا حضرت معاویہؓ کا صفینی دفاعی اقدام اصولی طور پر بغاوت نہ تھا۔

قاضی صاحب اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ "حضرت علیؓ کی خلافت خاصہ اگر منتظمہ نہیں ہو سکی تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بحیثیت خلیفہ خاص ان کی اطاعت دوسروں پر واجب نہ ہو۔" (صفحہ نمبر ۲۹) یعنی غیر منتظمہ ہونے کے باوجود دوسروں پر ان کی اطاعت واجب تھی۔

یہاں بھی قاضی صاحب نے خالص اپنے نظریے کی ترجمانی کی ہے نہ کہ مسلکِ اہلِ سنت کی۔ کیونکہ مسلک اہلِ سنت میں کسی خلافت کے (خواہ وہ خاصہ ہو یا عامہ) منتظمہ نہ ہو سکنے سے یہی لازم آتا ہے کہ دوسروں پر اس خلیفہ کی اطاعت واجب نہیں رہتی خواہ وہ خلیفہ خاص ہو یا عام۔ اس کی پوری وضاحت ہم اپنی کتاب "سبائی فتنہ" کے دوسرے حصے میں کر چکے ہیں یہاں صرف ایک ہی حوالہ پر اکتفا کرتے ہیں۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ اپنے اُس مکتوب میں جو قاضی صاحب کے "دیباچہ" کے ساتھ انہی کی تحریک خدام اہلِ سنت لاہور نے پروفیسر مولانا شیر کوٹی کے اُردو ترجمہ کے ساتھ علیحدہ چھاپا ہے، پہلے تینوں خلفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خلافت کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:

> "اور اس کے بعد یہ اتحاد (چوتھے خلیفہ کے زمانے میں) نااتفاقی میں بدل گیا اور جماعتیں جدا جدا پیدا ہو گئیں تو اہلِ حل و عقد بھی بہت ہو گئے، ہر جماعت کا سردار اہل حل و عقد کے مفہوم کا مصداق بن گیا، اس وقت اہل حل و عقد میں سے ایک شخص کی بیعت، مطلق خلافت کے منعقد ہونے کے سبب ہو گی۔ (نہ کہ عام خلافت کے منعقد ہونے کا) جو لوگ اس کے پیرو کار ہوئے خلیفہ کا اتباع ان پر لازم ہو گا لیکن دوسرے اہل حل و عقد اور ان کے پیرو یا وہ لوگ جو نہ کسی جماعت میں ہیں اور نہ کسی کی پارٹی میں، وہ لوگ اس بیعت کے لازم اور واجب ہونے سے آزاد ہونگے۔ ہاں اگر تمام اہل حق و عقد بیعت اور ارادت کا ہاتھ مسلمانوں میں سے کسی ایک کے ہاتھ میں دے دیں تو تمام مسلمانوں کو خواہ کسی کے تابع ہوں یا نہ ہوں، اس شخص کی فرمانبرداری ضروری اور لازمی ہو جائے گی۔" (بلفظہ، شہادت امام حسینؓ و کردار یزید صفحہ ۵۰، ۵۱)

دیکھیے حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تصریح فرما رہے ہیں کہ خلافت کے انعقاد مطلق یعنی غیر منتظمہ ہونے کی صورت میں دوسروں پر خلیفہ کی اطاعت واجب نہ ہوگی اور بات بھی حضرت نانوتوی رحمہ اللہ قرآن کے مذکور چوتھے خلیفہ راشد کے زمانہ کی کر رہے ہیں اور آپ نے اپنے اس مکتوب میں بقول مترجم: بیان بھی سُنی قواعد کیے ہیں۔ اس سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قاضی صاحب نے اپنے محولہ بالا قول میں بیان تو خالص اپنا نظریہ کیا ہے لیکن باور اس کو اہلِ سنت کا مسلک کرایا ہے، جو صریح مغالطہ دہی ہے۔

مغالطہ نمبر ۱۷:

میں نے ایک سلسلہ کلام میں قاضی صاحبؒ کی طرف ایک بات منسوب کی تھی اس سے متعلق لکھتے ہیں:

"ابوریحان صاحب نے یہ لکھ کر میرے متعلق کتنی غلط بیانی کی ہے کہ "حضرت قاضی صاحب کی اپنی تحقیق یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی ساری زندگی میں ان کی امامت و خلافت کا یقینی فیصلہ ہی نہیں ہو سکا۔"

سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے آگے لکھتے ہیں کہ:

"میں نے یہ کہاں لکھا ہے؟ میرے لکھنے کا مطلب تو یہ ہے کہ ان کی خلافت پر تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجماع نہیں ہو سکا۔ یہ نہیں کہ ان کی امامت و خلافت کا ساری زندگی میں یقینی فیصلہ ہو ہی نہیں سکا۔" (صفحہ ۳۸)

ایک ہی سانس میں ایک بات کے انکار اور اقرار کی اس سے زیادہ اچھی مثال قارئین نے شاید کہیں اور ملاحظہ نہ فرمائی ہوگی۔ ایک طرف تو یہ لکھ کر انکار کرتے ہیں کہ "میں نے یہ کہاں لکھا ہے؟" اور دوسری طرف اسی لمحے "میرے لکھنے کا مطلب تو یہ ہے الخ لکھ کر اس کا اقرار بھی کرتے ہیں۔ کیونکہ مطلب تو کسی لکھی ہوئی بات کا ہی بیان ہوا کرتا ہے بے لکھی بات کا نہ تو کوئی مطلب بیان کیا کرتا ہے اور نہ اس کا مطلب بیان کرنے کی کوئی ضرورت ہی پیش آیا کرتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر قاضی صاحب نے وہ کچھ نہیں لکھا تھا جو کچھ ابوریحان نے ان کی طرف منسوب کیا ہے تو وہ مطلب اپنے کس لکھے کا بیان کرنے لگ گئے ہیں؟ ایسی صورت میں تو مطلب بیان کرنے کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے ان کو اپنی وہ اصل بات نقل کرنی چاہیے تھی جو انھوں نے لکھی تھی اور جس میں ابوریحان نے ان سے متعلق غلط بیانی کی تھی۔ اپنی کوئی ایسی بات تو نقل نہ کرنا بلکہ ابوریحان نے جو بات ان کی طرف منسوب کی ہے اس کا مطلب بیان کرنے لگ جانا بجائے خود اس بات کا اقرار ہے کہ انھوں نے وہ بات یقیناً لکھی ہے جو میں نے ان کی طرف منسوب کی ہے۔ ان کے اس اقرار کے بعد ہمیں ان کی وہ بات یہاں نقل کرنے کی ضرورت نہ تھی لیکن قارئین کی تسلی کے لیے ان کے الفاظ بعینہٖ درج ہیں: لکھتے ہیں کہ

"دورِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں تو حضرت علی المرتضیٰؓ کو ان آیتوں کا مصداق قرار دینے میں اشکال تھا۔ کیونکہ حضرت علیؓ کی حیات کے آخری لمحہ تک اس وقت کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا تھا کہ آپ ہی مصداق ہیں الخ۔" (بلفظہ، خارجی فتنہ ص: ۲۷۲/ج: ۱ نیز ملاحظہ ہو ص ۲۴۸، ۵۲۲ وغیرہا)

اب قارئین ہی انصاف فرمائیں کہ ابوریحان نے قاضی صاحب کے بارے میں غلط بیانی کی ہے یا وہ خود ہی ابوریحان پر یہ بہتان تراشی کر رہے ہیں اور اپنے قارئین کو اس بارے میں مغالطہ دے رہے ہیں؟

مغالطہ نمبر ۱۸:

قاضی صاحب نے اپنی اس بات کے لیے کہ حضرت معاویہؓ کا اجتہاد صحیح نہ تھا ان پر حضرت علیؓ کے اجتہاد کی ہی پیروی لازم تھی، شاہ اسماعیل رحمہ اللہ کی ایک عبارت سے بھی استدلال کیا تھا۔ میں نے اس کا غیر تام، بے محل بلکہ خود ان کی اپنی ہی تحقیقات کے بھی خلاف ہونا بیان کیا تھا، قاضی صاحب نے میرے جواب میں بہت ہاتھ پاؤں مارے ہیں۔ اپنے قارئین کو یہ مغالطہ دینے کے لیے کہ ابوریحان نے اس سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے سب غلط ہے، "حق چار یار" کے مجموعی طور پر ستائیس صفحات کالے کیے ہیں۔ لیکن ہمیں اب اُن کی ان لمبی چوڑی بحثوں میں اُلجھنے کی ضرورت نہیں رہی کیونکہ اتنی مغزماری کے باوجود بھی ان کو شاہ شہید رحمہ اللہ کی اس عبارت کے بارے میں یہ اقرار کرنا ہی پڑا ہے کہ:

"اس عبارت میں مجتہد اور مجتہدین سے مراد صحابہ کرامؓ کے علاوہ دوسرے مجتہدین اُمت ہیں۔" (ماہنامہ "حق چار یار" جون ۱۹۹۲ء قسط نمبر ۵)

اپنے اس اقرار سے انھوں نے خود ہی اپنے ساری محنت پر پانی پھیر دیا اور حضرت معاویہؓ کے خلاف اپنے اس استدلال کو خود ہی ختم کر دیا ہے۔ کیونکہ انہی کے بقول جب اس عبارت میں مجتہدین سے مراد صحابہؓ مجتہدین نہ ہوئے بلکہ صحابہؓ کے علاوہ دوسرے مجتہدینِ اُمت مراد ہوئے تو صحابہ کرامؓ سے یہ عبارت متعلق ہی نہ ہوئی اور چونکہ حضرت معاویہؓ بھی صحابہؓ میں سے ہیں۔ خود قاضی صاحب بھی ان کو جلیل القدر صحابی مجتہد کہتے، لکھتے اور مانتے ہیں، لہذا ان سے بھی یہ عبارت متعلق نہ ہوگئی۔ جب یہ عبارت قاضی صاحب کے اپنے ہی اقرار کے مطابق صحابہ کرامؓ سے متعلق ہی نہ ہوئی تو حضرت معاویہؓ سمیت کسی بھی صحابیؓ کے بارے میں اس سے استدلال محض باطل اور بالکل غلط ہوا۔ یہی ہمارا مدعا تھا جس کے رد میں قاضی صاحب نے "حق چار یار" کے ستائیس صفحے سیاہ کر ڈالے، لیکن حقیقت پھر حقیقت ہوتی ہے ظاہر ہو کے ہی رہتی ہے۔

شاہ شہید رحمہ اللہ کی عبارت سے متعلق قاضی صاحب کے مذکورہ اقرار کے بعد اس سے حضرت معاویہؓ کے خلاف ان کا یہ استدلال صرف اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے کہ حضرت معاویہؓ کو صحابی مجتہد نہ مانا جائے۔ کیونکہ۔

دونوں باتیں بیک وقت جمع نہیں ہو سکتیں کہ حضرت معاویہؓ کو صحابی مجتہد بھی مانا جائے اور جو عبارت صحابہؓ مجتہدین سے متعلق ہی نہیں اس سے ان کے خلاف استدلال بھی کیا جائے۔ لہٰذا شاہ شہید رحمہ اللہ کی عبارت سے متعلق اپنے مذکورہ اقرار کے بعد قاضی صاحب کو یا تو حضرت معاویہؓ کے خلاف استدلال سے دستبردار ہونا پڑے گا یا حضرت معاویہؓ کی صحابیت کا انکار کرنا پڑے گا۔ اب یہ قاضی صاحب ہی فرماویں کہ وہ ان دونوں باتوں میں سے کونسی بات پسند کرتے ہیں؟ اپنے اس استدلال سے دستبردار ہونا یا حضرت معاویہؓ کی صحابیت کا انکار کرنا؟

مغالطہ نمبر ۱۹

میں نے ایک ضابطہ یہ بیان کیا تھا کہ "ہر مجتہد پر اپنے ہی اجتہاد کی پیروی لازم ہے۔" قاضی صاحب جواباً فرماتے ہیں کہ "یہ بھی ضابطہ کلیہ نہیں ہے۔" پھر اس کے ثبوت میں انھوں نے ایک تاریخی روایت سے ملا علی قاری رحمہ اللہ کا ایک استنباط نقل کیا ہے جس میں انھوں نے حضرت علیؓ کا مذہب تو وہی بتایا ہے جو اوپر مذکور ہوا لیکن حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ بتایا ہے کہ ایک مجتہد، دوسرے مجتہد کی پیروی کر سکتا ہے، بشرطیکہ پہلا مجتہد اپنا اجتہاد چھوڑ دے اور دوسرا مجتہد اُس سے زیادہ فقیہ ہو۔ (ایضاً ۴۵،۴۴)

یہ قاضی صاحب کی بے خبری یا مغالطہ دہی ہے۔ اوّل تو ملا علی قاری رحمہ اللہ نے جس تاریخی روایت سے یہ استنباط کیا ہے[۲] ان الفاظ کے ساتھ سرے سے وہ روایت ہی علامہ خالد محمود صاحب کی تحقیق کے مطابق روافض کی من گھڑت ہے۔ لہٰذا ملا علی قاری رحمہ اللہ کا یہ استنباط بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔ دوم ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بھی کوئی تحقیقی مذاہب نہیں نقل کیے بلکہ اس روایت کی رُو سے حضرت علیؓ پر سیرت شیخین سے روگردانی کا جو اعتراض وارد ہوتا تھا اس کے دفعیہ کے لیے محض استنباطی مذاہب بیان کیے ہیں۔ ورنہ تحقیقی طور پر حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف کا یہ مذہب عام طور پر منقول نہیں جو ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ان کا بیان کیا ہے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی جو مذہب انھوں نے نقل کیا ہے۔ وہ بھی خلافِ تحقیق ہے، محض نوادر کی ایک غیر مقبول روایت ہے۔ ان تمام باتوں کی تفصیل تو ہم ان شاء اللہ "کشفِ سبائیت" میں ہی بیان کریں گے۔ یہاں تو ہم بفرض تسلیم صرف اتنا بتانا چاہتے ہیں کہ اگر ملا علی قاری رحمہ اللہ کا یہ استنباط من و عن صحیح بھی فرض کر لیا جائے تو قاضی صاحب کو تو تب بھی مفید نہیں۔

اوّل تو اس کے لیے مشاجرات میں اصحابؓ جمل و صفین اور حضرت معاویہؓ کے ساتھ معاملہ حضرت علیؓ کا تھا نہ کہ حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف یا امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور حضرت علی کا مذہب اس سلسلہ میں ملا علی قاری رحمہ اللہ نے بھی یہی بتایا ہے کہ "ہر مجتہد پر اپنے ہی اجتہاد کی پیروی لازم ہے

۲- دیکھو خلفاء راشدین ص: ۳۵۹ نیز البدایہ و النہایہ ص: ۱۴۷/ ج: ۷